مجید امجد ۔ زرعی دَور کا شاعر

ڈاکٹر عطاء الرحمن میو

ڈاکٹر ظفر قریشی

ایسوسی ایٹ پروفیسر، لاہور گیریژن یونیورسٹی

ABSTRACT

Majeed Amjad can be call a poet of nature. His poetry depicts many phenomena of nature. He truly explain the colours of nature .Besides this he also portrays the picture of rural life ,the things made it beautiful,the calmness the true colours of life all are present in his poetry .His poetry also Echoes the pain and problems of farmers and workers. In this Article an attempt has been made to highlight the aspects thatmade Majeed Amjad ,a poet of agricultural era.

Key words: nature, portrays, phenomena, echoes ,calmness, portrays

جب ہم زرعی دَور کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کیا آج دنیا میں زراعت نہیں ہو رہی؟ ہم زرعی دَور کا تعین کس صدی یا کس وقت سے کریں؟ ہم اگر چند صدیاں ہی پیچھے چلے جائیں تو اُس دنیا کی آبادی آج کی دنیا کی آبادی کا شاید ٪10 ہی ہو گی۔ آج کی دنیا کو آبادی کے لحاظ سے نسبتاً زیادہ زراعت کی ضرورت نہیں کیا ؟ یقیناً ہے۔ آج کے آبادی کو کئی ہزار گنا زیادہ ضرورت ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ٹیکنالوجی اور سائنس کی ترقی نے زراعت کو آسان بنا دیا ہے۔ جدید زرعی آلات، کھاد کی فراوانی، پانی کے لیے ٹیوب ویل، ٹریکٹر، تھریشر، کھیتوں سے منڈیوں تک پختہ سڑکیں، بار برداری کے لیے ٹریکٹر ٹرالیاں وغیرہ یہ سب وہ تبدیلیاں ہیں جنھوں نے زرعی دَور کی اُن مشکلات کو بُھلا دیا جس میں انسان کا خون پسینہ ایک ہو جاتا تھا۔ طریقۂ زراعت تبدیل ہو گیا لیکن ضرورت موجود رہی۔ جدید دَور میں رُوزگار کا انحصار اُتنا نہیں رہا جتنا خالص زرعی دَور میں تھا۔

جب ہم زرعی دَور پر نظر دوڑائیں تو اس میں انسان کے لیے بہت سی مشکلات تو تھیں لیکن کچھ آسائشیں بھی ہوتی تھیں۔ زرعی دور میں انسان کو سخت ترین حالات کا سامنا رہا۔ حیاتِ انسانی کا دَور تو در کنار، اگر ہم چند صدیاں پہلے کی بات کریں تو انسان کی روزمرہ کی زندگی کافی کٹھن نظر آتی ہے۔ لمحاتِ موجود میں ہماری زندگی سہل ہوتی جا رہی ہے۔ ہمارے شہروں کی نئی نسل نے تو زرعی دَور تو کیا، شاید کوئی دیہات بھی نہیں دیکھا۔ بجلی کی ایجاد نے اندھیرے ختم کر دیے۔ اگر لوڈ شیڈ ینگ ہو جائے تو ہم احتجاج کرنے سڑکوں پر آجاتے ہیں اور شور مچاتے ہیں کہ عوام پر ظلم ہو رہا ہے۔ گھر میں فریج، پنکھا، ایئر کنڈیشن، نیٹ، موبائل، گاڑی، موٹر سائیکل وغیرہ نہ ہوں تو کیا ہمیں مشکلات ہوں گی؟ ہاں ہو گی۔ کیوں کہ یہ سب چیزیں اب ہماری زندگی کا جزو لازم بن چکی ہیں۔ سائنس کی ترقی نے دنیا کو ایک "گلوبل وی لج" بنا دیا ہے۔ الغرض سائنس و ٹیکنالوجی کی ترقی پر کئی صفحات رقم ہو سکتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہاں "سائنس کے کرشمے" کے عنوان سے کوئی مضمون لکھنا نہیں ہے۔ یہ ایک سرسری جھلک ہے۔

زرعی دَوراس جدید دنیا سے یکسر مختلف تھا۔ یہ وہ عہد تھا جب انسان کو زندہ رہنے کے لیے سخت ترین حالات سے گزرنا پڑتا تھا۔ اُس کے زندہ رہنے کا دار و مدار ایسی زراعت پر تھا جہاں وہ کسی بیل سے کم نہیں تھا۔ ایک کسان صبح اذان سے پہلے، اُس وقت اپنے کاندھے پر ہَل رکھ کر اپنے کھیتوں کی جانب چل نکلتا تھا جس وقت آج کا انسان اپنے ٹی وی کا سوئچ آف کر کے سونے کی تیاری کرتا ہے۔ اُس دَور میں اِکا دکا شہر آباد تھے۔ آبادی عموماً دیہات پر مشتمل تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ گاؤں اور جنگل بیلے شہروں میں تبدیل ہونے لگے۔ لیکن زرعی دور میں انسانیت نے جو جو دکھ و تکالیف اُٹھائیں اُس کا ذکر تاریخ بھی کرتی آئی ہے۔ اس کے علاوہ اِن مصائب کا ذکر ہمارے افسانہ نگار اور شعراء بھی کرتے آئے ہیں۔ ایک محنت کش پر اُس دَور میں ستم یہ تھا کہ جاگیر دارانہ نظام قائم ہُوا۔ طاقتور زمینداروں اور سرمایہ داروں نے ہنر مند، کسانوں اور مزدوروں پر تاریخی ظلم ڈھائے۔ یہ رویہ آج بھی ہمیں اپنے گاؤں دیہات میں کہیں نہ کہیں نظر آ جائے گا۔ محنت کشوں کے خون پسینے کی کمائی سے زمینداروں نے اپنا سرمایہ بڑھایا۔ با قاعدہ سازش اور خواہش کے تحت کسانوں کو اور مزدوروں کو ترقی سے روکا گیا۔ اُن کو اُن کی محنت کی کمائی بھی احسان سمجھ کر دی جاتی تھی۔ یہاں اقبال کے ایک شعر سے اس کی وضاحت ہوں ہوتی ہے۔

دستِ کارِ آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہلِ ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

(نظم "خضرِ راہ" بانگِ درا) 1

اقبال نے ایک جگہ اور کسانوں کی کٹھن زندگی کے بارے میں لکھا جس سے زرعی زندگی کی عکاسی بھی ہوتی ہے:

دہقاں ہے کسی قبر کا اُگلا ہُوا مُردہ
بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیرِ زمیں ہے

(نظم "گِلہ" ضربِ کلیم) 2

اقبال نے اپنی نظم "لینن" میں زرعی دَور کے حوالے سے جفاکش افراد کی زندگی پر اللہ سے شکوہ بھی کیا ہے:

تُو قادرِ مطلق ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

(نظم "لینن" بالِ جبریل) 3

بہ نظرِ غایت دیکھا جائے تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم جسے زرعی دور کہتے ہیں، اس دَور میں بے شمار مصائب و مشکلات کے باوجود بہت سی آسانیاں بھی تھیں۔ دَورِ حاضر اور زرعی دور کا سب سے بڑا فرق "وقت" کا ہے۔ دَورِ حاضر کا انسان وقت کی شدید کمی کا شکار ہے۔ مصروفیت کی لمبی فہرست میں اپنی ذات کے لیے بھی وقت نہیں ہے۔ وقت کی رفتار کے ساتھ چلنا اب وقت کی ضرورت بھی ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ کسی نے کیا خوب کہا:

زندگی کی تیز اب اتنی روانی ہو گئی
بات جو سوچی وہ کہنے تک پرانی ہو گئی

زرعی دَور کی زندگی میں انسان کا وقت فطری انداز میں آگے بڑھتا تھا۔ اُس کے پاس اتنا وقت بھی تھا اور احساس بھی کہ وہ دوسروں کا دکھ درد بانٹنے کے لیے اُن کو وقت دے سکتا ہے۔ اُس دَور کے افراد ایک دوسرے کے غیر مشروط مددگار تھے۔ انسانیت کا جذبہ نسبتاً زیادہ تھا۔ لوگوں کو ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا احترام تھا۔ گاؤں دیہات کی سطح پر پنچائتی نظام میں کیے گئے فیصلے سب کو قابلِ قبول ہوتے تھے۔ ہماری عدالتوں سے کہیں بہتر اور تیزی سے انصاف ملا کرتا تھا۔ مجرم کو پولیس کا نہیں معاشرے کا خوف زیادہ ہوتا تھا۔ اس لئے بہت ساری برائیاں اخلاقی سطح پر ہی رک جایا کرتی تھیں۔ لوگوں میں قناعت پسندی تھی۔ پیسے کی بے لگام دوڑ نہیں تھی۔ ہمدردی کا ایک بے لوث جذبہ تھا جس نے انسان کو انسان کے قریب رکھا ہُوا تھا۔ ایک دوسرے

کے دکھ بانٹنے کو لوگ اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بالخصوص اگر کہیں کسی کا انتقال ہو جاتا تو گاؤں کے گاؤں سوگوار خاندان سے اظہارِ ہمدردی کے جمع ہو جاتے اور اجتمائی طور پر ہر ممکن مالی امداد بھی کرتے۔ زرعی دَور کی سب سے اہم خوبی اجتماعیت تھی۔ زرعی دَور کی زندگی میں ہنگامہ خیزی نہیں تھی بلکہ ایک قلبی سکون سا تھا۔ خونی رشتوں میں روحانی سچائی تھی۔ انسان کا انسان کے ساتھ احساسِ مروت قائم تھا۔ لیکن جب یہ دَور دَم توڑ گیا تو یہ تمام خوبیاں بھی معاشرے میں ناپید ہوتی گئیں، اقبال نے اس پر یوں طنز کی:

ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت

احساسِ مروت کو کُچل دیتے ہیں آلات

(نظم "لینن" بالِ جبریل)4

اس ساری گفتگو کے بعد ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کیا مجید امجد زرعی دَور کا شاعر ہے؟ ہم نے اُوپر اقبال کے اشعار کی کئی مثالیں دی ہیں۔ اقبال ایک بڑا شاعر ہے۔ لیکن ہم اقبال اور مجید امجد کا مواز نہ نہیں کر رہے۔ دونوں کی شاعری اور احساسات مختلف نوعیت کے ہیں۔ کہیں کہیں ان دونوں میں "توارد" پایا جاتا ہے۔ ہاں ان دونوں میں ایک قدر مشترک نظر آتی ہے، وہ یہ کہ یہ دونوں فطرت شناس بھی ہیں۔ فطرت پرستی کے حوالے سے ان میں رومانویت پائی جاتی ہے۔ مجید امجد اپنی ذات میں ایک منفرد شاعر ہے جو گزرے ہوئے وقت کے انسانوں کی تہذیب و تمدن سے جُڑا ہوا ہے۔ اُس کی شاعری کے اشارے، استعارے اور نظارے ہمیں بیتے ہوئے وقت اور اس میں موجود انسانوں کے رہن سہن اور اُن کے دکھ درد کے عکاس ہیں۔ مجید امجد اس کائنات کی ازل سے روانی اور نہ رُکنے والے وقت کی طرف بار بار اشارہ کرتا ہے۔ اس کی شاعری ہمیں ماضی کی اَن دیکھی اور پُراسرار سی دنیا میں لے جاتا ہے۔ قاری کو یُوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ بھی اس اَن دیکھی ماضی کی دنیا کا حصہ رہا ہے۔

کبھی تو سوچ ترے سامنے نہیں گزرے

وہ سب سمے جو تیرے دھیان سے نہیں گزرے

یہ اور بات کہ ہوں ان کے درمیاں میں بھی

یہ واقعے کسی تقریب سے نہیں گزرے

(غزل مجید امجد)5

زرعی دور کے حوالے سے مجید امجد کی نمائندہ نظم "کنواں" ہے۔ اس نظم میں مجید امجد نے زرعی دَور کے زیرِ استعمال تمام اشیا کا اور اُس ماحول و فضا کا ذکر کیا۔

کنواں چل رہا ہے! مگر کھیت سوکھے پڑے ہیں نہ فصلیں، نہ خرمن، نہ دانہ

نہ شاخوں کی باہیں، نہ پھولوں کے مکھڑے، نہ کلیوں کے ماتھے، نہ رُت کی جوانی

گزرتا ہے کیاروں کے پیاسے کناروں کو یُوں چیرتا تیز، خوں رنگ، پانی

کہ جس طرح زخموں کی دُکھتی تپکتی تہوں میں کسی نیشتر کی روانی

ادھر دِھیری دِھیری

کنویں کی نفیری

ہے چھیڑے چلی جا رہی اک ترانہ

پُراسرار گانا

جسے سُن کے رقصاں ہے اندھے تھکے ہارے بے جان بیلوں کا جوڑا ! بچارا
گراں بار زنجیریں ، بھاری سلاسل ، کڑکتے ہُوئے آتشیں تازیانے
طویل اور لامنتہی راستے پر بچھا رکھے ہیں دام اپنے قضانے
اِدھر وہ مصیبت کے ساتھی ملائے ہُوئے سینگوں سے سینگ، شانوں سے شانے
رواں ہیں نہ جانے
کدھر؟ کس ٹھکانے؟
نہ رُکنے کی تاب اور نہ چلنے کا یارا
مقدر نیارا
کنویں والا ، گاڑی پہ لیٹا ہے مست اپنی ہنسی کی میٹھی سُریلی صدا میں
کہیں کھیت سُوکھا پڑا رہ گیا اور نہ اس تک کبھی آئی پانی کی باری
کہیں بہہ گئی ایک تُند ریلے کی فیاض لہروں میں کیاری کی کیاری
کہیں ہوگئی دُھول میں دُھول لاکھوں، رنگارنگ فصلیں، ثمردار ساری
پریشاں پریشاں،
گریزاں گریزاں،
تڑپتی ہیں خوشبوئیں دامِ ہَوا میں
نظامِ فنا میں
اور اک نغمہ سرمدی کان میں آرہا ہے ، مسلسل کنواں چل رہا ہے
پیا پے مگر نرم رَو اس کی رفتار ، پیہم مگر بے تکان اس کی گردش
عدم سے ازل تک ، ازل سے ابد تک، بدلتی نہیں ایک آن اس کی گردش
نہ جانے لیے اپنے دو لاب کی آستینوں میں کتنے جہاں اس کی گردش
رواں ہے رواں ہے
تپاں ہے تپاں ہے
یہ چکر یُونہی جاوداں ہے
کنواں چل رہا ہے
(نظم "کنواں" کلیاتِ مجید امجد)6

مذکورہ نظم میں مجید امجد نے زرعی دَور کی تقریباًان تمام چیزوں کا ذکر کیا ہے جن سے ہم بہ خوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ شاعر نے ایک ایسا ماحول متعارف کروایا ہے جو خالص زرعی دَور کی عکاسی کرتا ہے۔ مثلاً کنواں، کھیت، خرمن، دانہ، شاخیں، پھُول، کلیاں، رُت، کیاریاں، پانی، نفیری، بیلوں کا جوڑا، تازیانے سینگ ،گاوی، تندریلے، ثمرداری وغیرہ۔ مرکزی حیثیت ایک "کنواں" ہے۔ پرانے دَورِ زراعت میں کنواں بہت اہم تھا۔ مجید امجد کا تخلیق کردہ یہ کنواں بنیادی

طور پر دو علامتوں کا مظہر ہے۔ایک "زندگی" اور دوسرا "وقت"۔زندگی اس حوالے سے کہ کنویں کی پیداوار پانی ہے۔پانی زندگی کے لیے سب سے اہم جُز ہے۔پانی نا صرف انسان بلکہ کھیت کھلیان،ہریالی اور فصلوں کے لیے بھی پیامِ حیات ہے۔کنویں سے پانی نکالنے کے لیے بیلوں کی جوڑی مسلسل چکر کاٹتی رہتی ہے۔جیسے گھڑی چلتی ہے۔اسی لئے کنواں وقت کی علامت بھی ہے۔مجید امجد کو اس زرعی دَور کی تمام علامتوں سے ایک روحانی سا لگاؤ محسوس ہوتا ہے۔وہ انسانیت کو ملنے والے دکھ درد بھی انھی علامتوں سے محسوس کرواتا ہے۔مثلاًوہ یہ کہ کنواں تو چل رہا ہے لیکن اس کنویں کے چلنے کے ثمرات ظاہر نہیں ہو رہے۔کیا یہ کنویں کے پانی کا قصور ہے؟نہیں ،کنواں تو مسلسل اپنا کام کر رہا ہے۔لیکن کھیت کو سیراب یا کھیتوں تک پانی کو پہنچانے والوں کا قصور ہے۔زرعی دَور کی علامتوں کے استعمال سے حالی نے کہا تھا:

کھیتوں کو دے لو پانی،اب بہہ رہی ہے گنگا

کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں

(غزل۔دیوانِ حالی)7

اور اقبال نے بھی یہ کہا:

موسم اچھا ، پانی وافر ،مٹی بھی زرخیز

جس نے اپنا کھیت نا سینچا وہ کیسا دہقان

اپنی خودی پہچان

او غافل افغان

ڈھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ

اُس بندے کی دہقانی پر سلطانی قربان

پنی خودی پہچان

او غافل افغان

("محراب گل کے افکار"ضربِ کلیم) 8

لہٰذا مجید امجد نے بھی لمحہ فکریہ کی جانب توجہ دلوائی ہے۔ایسے پانی کا کیا فائدہ جس سے کھیت سیراب ہی نہ ہو سکیں۔فصلیں پیاسی رہ جائیں۔ایسے بے ثمر پانی کو جب مجید امجد کیاریوں سے گزرتا ہُوا دیکھتا ہے تو وہ اُسے خوں رنگ نظر آتا ہے۔یہ خون اُسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے گہرے زخموں سے نکل رہا ہو۔مجید امجد کا فن ہے کہ اس نے زرعی دَور کے مصائب کو فرد کے دکھ سے جوڑ دیا۔آگے چل کر مجید امجد نے ایک پُراسرار گانے کا ذکر کیا ہے۔یہ گانا اصل میں کنویں کی وہ آواز ہے جو ایک "ردھم" کے ساتھ مسلسل بیلوں کے چکر کاٹنے سے آ رہی ہے۔اس آواز کو شاعر نے پُراسرار کہہ کر بہت معنی خیز بنا دیا ہے۔وہ اس طرح کہ کنویں کے چکر کی یہ آواز ہمارے لئے زندگی اور وقت کو تال میل سے گزارنے کا ایک پیغام ہے۔ان زرعی دَور کی علامتوں میں ایک اور اہم علامت بَیلوں کی وہ جوڑی ہے جو کنویں سے پانی نکالنے کے لئے چکر کاٹ رہی ہے۔مجید امجد نے بَیلوں کی جوڑی کو بھی جفاکشی، مسلسل محنت اور خاموشی سے ستم سہنے والے انسانوں کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔انسان کئی صدیوں سے ان بیلوں کی طرح کام کرنے پر مجبور ہے۔سخت حالات میں انسانوں کے پاس اسی طرح محنت کرنے کے علاوہ کوئی "آپشن" نہیں۔یہ دونوں بَیل ایک دوسرے کے لیے مصیبت کے ساتھی ہیں۔وہ اسی دائرہ میں چکر کاٹتے رہنے کو اپنا مقدر سمجھتے ہیں۔

آخر میں کنویں کے اس چکر کو مجید امجد دنیا کے اس نظام سے علامتی طور پر منسلک کرتا ہے کہ اس کائنات کا نظام اسی کنویں کی طرح ازل سے ابد تک چلتا رہے گا۔

انسان اور بیلوں کی بامشقت زندگی کی مماثلت کی جھلک مجید امجد کی زرعی دَور کی ایک اور نظم میں دیکھی جاسکتی ہے:

بہتی راوی ترے تٹ پر،۔۔ کھیت اور پھول اور پھل
تین ہزار برس بوڑھی تہذیبوں کی چھل بَل!
دو بیلوں کی جیوٹ جوڑی ، اک ہالی ، اک ہَل
سینئہ سنگ میں بسنے والے خداؤں کا فرمان
مٹی کاٹے ، مٹی چاٹے ، ہل کی اَنی کا مان
آگ میں جلتا پنجر ہالی کا ہے کا انسان ،
کون مٹائے اُس کے ماتھے سے دکھوں کی ریکھ
ہَل کو کھینچنے والے جنوروں جیسے اس کے لیکھ
تپتی دھوپ میں تین بَیل ہیں ، تین بَیل ہیں ، دیکھ

(نظم "ہڑپے کا ایک کتبہ")9

مجید امجد ہمیں اپنے ساتھ اُس دَورِ مصائب میں لے جاتا ہے جہاں انسانی حیات کا مرکزی دار و مدار بامشقت زراعت پر تھا۔ مجید امجد وقت کو عموماً صدیوں کے نام سے یاد کرتا ہے۔ وہ صدیوں پہلے کے زرعی دور کے انسان کے دکھ کے ساتھ کھڑا نظر آئے گا۔

صدیوں کے گھاٹ پر بھرے میلوں کی بھیڑ میں
اے دردِ شادماں ترا کیا کیا لباس تھا
امجد قبائے شہ تھی کہ چولا فقیر کا
ہر بھیس میں ضمیر کا پردہ لباس تھا

(غزل-کلیاتِ مجید امجد)10

مجید امجد کی شاعری میں صدیوں کا ذکر ایک پُراسرایت کی جانب لے جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے زرعی دَور کا وہ ماضی، وہ صدیاں، وہ ان دیکھے گزرے واقعات، وہ بیتی کہانیاں، وہ راستے، وہ منزلیں، وہ گھاٹ اور وہ تمدن ہمارا ہی کھویا ہُوا سرمایہ ہو جیسے۔ امجد ان تمام چیزوں میں اپنی اور مجموعی انسانی زندگی کو تلاش کرتا ہے۔

صدیوں سے راہ تکتی ہوئی گھاٹیوں میں تم
اک لمحہ آکے ہنس گئے میں ڈھونڈتا پھِرا
راتیں ترائیوں کی تہوں میں لڑھک گئیں
دن دلدلوں دھنس گئے میں ڈھونڈتا پھِرا

(نظم "کوئٹے تک")11

مجید امجد کے خیالات میں ایک اخلاقی بلندی پائی جاتی ہے۔وہ خود غرض نہیں ہے۔اُسے زرعی دَور کے اُن تمام انسانوں کے دکھوں کا بھی دکھ ہے جن سے اُس کا کبھی واسطہ بھی نہیں رہا۔

اپنے دل کی کھوج میں کھو گئے کیا کیا لوگ
آنسو تپتی ریت میں بو گئے کیا کیا لوگ
کرنوں کے طوفان سے بجرے بھر بھر کر
روشنیاں اس گھاٹ پر ڈھو گئے کیا کیا لوگ
میلی چادر تان کر اس چوکھٹ کے دوار
صدیوں کے کہرام میں سو گئے کیا کیا لوگ
میٹھے میٹھے بول میں دوہے کا ہنڈول
سُن سُن اس کو باؤرے ہو گئے کیا کیا لوگ
(غزل-کلیاتِ مجید امجد)12

مجید امجد کو امید بھی ہے کہ شاید وہ گزرا ہوا زمانہ لوٹ آئے:

اس اپنی کرن کو آتی ہُوئی صبح کے حوالے کرنا ہے
کانٹوں سے اُلجھ کر جینا ہے، پھولوں سے لپٹ کر مرنا ہے
شاید وہ زمانہ لوٹ آئے، شاید وہ پلٹ کر دیکھ بھی لیں
اِن اُجڑی اُجڑی نظروں میں پھر کوئی فسانہ بھرنا ہے
(غزل مشمولہ انتخابِ مجید امجد)13

زرعی دَور کے ظاہری اور باطنی نقوش میں موسم کی علامت بھی نہایت اہم ہے۔کیوں کہ زرعی دَور میں مختلف فصلوں کے الگ الگ موسم ہوتے ہیں۔لہٰذا کسان اور کاشتکار موسم کی مناسبت سے فصلوں کی کاشت کا اہتمام کرتا ہے۔مجید امجد موسم کو "رُت" کا نام دیتے ہیں۔زرعی دَور کی اپنی نمائندہ نظم میں بھی اُنھوں نے رُت کا ذکر کیا۔اس کے علاوہ بھی اپنے بہت سے اشعار میں رُت کا اظہار کیا تھا۔

ہمدم ! غمیں نہ ہو کہ یہ مٹتی نشانیاں
اِک آنے والی رُت کی ہیں شیریں نشانیاں
(نظم "پژمردہ پتیاں")14

اپنی ایک غزل میں مجید امجد نے "رُت" کے بدلنے اور بیت جانے کو بہت سنجیدگی سے لیا ہے۔اُنھیں اچھی رُت کے بیت جانے کا افسوس ہے۔وہ اچھی رُتوں کے قدر دان ہیں۔رُت کے لفظ کو انھوں نے ردیف و قافیے بنا کر تسلسل سے یُوں استعمال کیا:

کیا سوچتے ہو، اب پھولوں کی رُت بِیت گئی، رُت بِیت گئی
وہ رات گئی ، وہ بات گئی ، وہ رِیت گئی ، رُت بِیت گئی
پھر تَیر کے میرے اشکوں میں، گل پوش زمانے لوٹ چلے

پھر چھیڑ کے دل میں، ٹیسوں کے سنگیت گئی، رُت بیت گئی

یہ لالہ گل ؟ کیا پوچھتے ہو، سب لُطفِ نظر کا قصہ ہے

رُت بیت گئی جب دل سے کسی کی بیت گئی ، رُت بیت گئی

(غزل، مشمولہ "انتخابِ مجید امجد")15

مجید امجد زرعی دَور میں محنت مشقت کرنے والوں کی تمثال نگاری بھی کرتا ہے۔ اُس کا شاعرانہ شعور بہت قوی ہے۔ اُس کے تخیل نے ماضی کی اَن دیکھی دنیا میں سے بھی وہ تصویریں تلاش کر لی ہیں جو اُس زرعی دور کی عکاس ہیں۔

گھاس کی گٹھڑی کے نیچے وہ روشن روشن چہرہ،

رُوپ، جو شاہی ایوانوں کے پھولوں کو شرمائے

راہگزر پر سُوکھے پتے چُننے والی باہیں ۔۔۔۔

باہیں جن کو دیکھ کے موجِ کوثر بل کھائے

بَیلوں کے چھکڑوں کے پیچھے چلتے زخمی پاؤں

پاؤں جن کی آہٹ سوئی تقدیروں کو جگائے

بِھیک کے اک ٹکڑے کو ترستی کھوئی کھوئی آنکھیں

پلکیں جن کے نیچے لاکھوں دنیاؤں کے سائے

(نظم "کلبہ و ایوان")16

ایک اور نظم میں فطرت کی تصویر کشی اور رومانویت جس میں زرعی دَور ختم ہونے کے قریب نظر آتا ہے:

ندی کے لرزتے ہوئے پانیوں پر

تھرکتی ہُوئی شوخ کرنوں نے چنگاریاں گھول دی ہیں

تھکی دھوپ نے آکے لہروں کی پھیلی ہوئی ننگی باہوں میں اپنی لٹیں کھول دی ہیں !

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کہیں دُور ان گھور اندھیروں میں جو فاصلوں کی ردائیں لپیٹے کھڑے ہیں

جہاں پر آبد کا کنارا ہے۔۔۔ اور اک وہ گاؤں:

وہ گنے کے کیاروں پہ آتی ہوئی ڈاک گاڑی کے بُھورے دھوئیں کی چھچھلتی سی چھاؤں !

(نظم "ایک شام")17

مجید امجد کو زرعی ماحول کے گاؤں سے ایک قلبی محبت ہے۔ وہ ان میں روحانی سکون محسوس کرتا ہے: اس کا اظہار اپنی ایک نظم میں ہوں کیا ہے:

یہ تنگ و تاریک جھونپڑیاں گھاس پھوس کی اب تک جنھیں ہَوا نہ تمدن کی چُھو سکی

یہ سادگی کے رنگ میں ڈوبا ہُوا جہاں ہنگامہ جہاں ہے سکوں آشنا جہاں

دنیا میں جس کو کہتے ہیں گاؤں یہی تو ہے طوبیٰ کی شاخِ سبز کی چھاؤں یہ تو ہے

(نظم "گاؤں")18

مجید امجد کو سبز لہلہاتی فصلوں سے پیار ہے، وہ ان سے براہِ راست گفتگو بھی کرتے نظر آئیں گے۔ وہ انسان کی ناپائداری اور فصلوں کی جاودانی کا احساس دلاتے ہیں:

ہری بھری فصلو

جُگ جُگ جیو پھلو

ہم تو ہیں بس دو گھڑی کو اس جگ میں مہمان

تم سے ہے اس دیس کی شوبھا، اس دھرتی کا مان

(نظم "ہری بھری فصلو")19

الغرض مجید امجد کی شاعری کا محور زرعی دَور ہے۔ اُس کی شاعری کے داخلی اور ظاہری خدوخال میں اس کی مثالیں کثرت سے دستیاب ہیں۔ وہ فطری مناظر کا پرستار ہے۔ وہ تو شاید اِس دنیا کو چھوڑنے کے بعد بھی زرعی حیاتِ انسانی کے دَور کو ہی یاد کرتا ہے۔ مجید امجد اِسی زرعی دَور کے ماحول میں اطمینان اور سکون محسوس ہوتا ہے۔

کٹی ہے عمر بہاروں کے سوگ میں امجد

مری لحد پہ کِھلیں جاوداں گلاب کے پھول

(غزل مشمولہ "انتخابِ مجید امجد")20

حوالہ جات

1۔ محمد اقبال علامہ، نظم خضرِ راہ، بانگِ درا، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد 2000ء، ص۔362۔

2۔ محمد اقبال علامہ، نظم گلہ، ضربِ کلیم، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد، 783، ص۔2000ء۔

3۔ محمد اقبال علامہ، نظم لینن (خدا کے حضور)، بالِ جبریل، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد، ء2000، ص۔554۔

4۔ محمد اقبال علامہ، نظم لینن (خدا کے حضور)، بالِ جبریل، الحمرا پبلشنگ، اسلام آباد، 2000ء، ص۔554۔

5۔ مجید امجد، کُلیاتِ مجید امجد، ترتیب، تدوین و تحقیق ڈاکٹر خواجہ زکریا، فرید بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی، انڈیا، 2011ء ص298۔

6۔ مجید امجد، نظم کنواں، انتخابِ مجید امجد، ، مرتبہ سعد اللہ شاہ، الحمد پبلی کیشنز، پرانی انار کلی لیک روڈ، لاہور، 1993ء، ص14۔

7۔ الطاف حسین حالی، دیوانِ حالی، ص77، احقر العباد محمد حسن، 1926ء، انوار المطابع لکھنو، انڈیا۔

8۔ محمد اقبال علامہ، محراب گل کے افکار، ضرب کلیم اقبال اکادمی، لاہور، 1993ء، ص۔554۔

9۔ مجید امجد، ہڑپے کا ایک کتبہ، کُلیاتِ مجید امجد ، ترتیب، تدوین و تحقیق ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، فرید بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی، انڈیا، 2011ء، ص336۔

10 ۔ مجید امجد، غزل، کُلیاتِ مجید امجد، ترتیب، تدوین و تحقیق ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، فرید بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی، انڈیا 2011ء، ص371۔

11۔ مجید امجد، نظم کوئٹے تک، کُلیاتِ مجید امجد، ترتیب، تدوین و تحقیق ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، فرید بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی، انڈیا 2011ء، ص321۔

12۔ مجید امجد، غزل، کُلیاتِ مجید امجد، ترتیب، تدوین و تحقیق ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، فرید بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی، انڈیا 2011ء ص350 ۔

13۔ مجید امجد، غزل، انتخابِ مجید امجد، مرتبہ سعد اللہ شاہ، الحمد پبلی کیشنز، پرانی انار کلی لیک روڈ، لاہور 1993ء، ص53۔

14۔ مجید امجد، نظم پژمردہ پتیاں، انتخابِ مجید امجد، مرتبہ سعد اللہ شاہ، الحمد پبلی کیشنز، پرانی انار کلی لیک روڈ، لاہور 1993ء، ص9۔

15۔ مجید امجد، غزل، انتخابِ مجید امجد، مرتبہ سعد اللہ شاہ، الحمد پبلی کیشنز، پرانی انار کلی لیک روڈ، لاہور 1993ء، ص59۔

16۔ مجید امجد، نظم کلبہ ایوان، انتخابِ مجید امجد، مرتبہ سعد اللہ شاہ، الحمد پبلی کیشنز، پرانی انار کلی لیک روڈ، لاہور، 1993ء، ص26۔

17۔ مجید امجد، نظم ایک شام، انتخابِ مجید امجد، مرتبہ سعد اللہ شاہ، الحمد پبلی کیشنز، پرانی انار کلی لیک روڈ، لاہور 1993ء، ص51۔

18۔ مجید امجد، نظم گاؤں، کُلیاتِ مجید امجد، ترتیب، تدوین و تحقیق ڈاکٹر خواجہ زکریا، فرید بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی، انڈیا 2011ء، ص188۔

19۔ مجید امجد، نظم گاؤں، کُلیاتِ مجید امجد، ترتیب، تدوین و تحقیق ڈاکٹر خواجہ زکریا، فرید بک ڈپو دریا گنج نئی دہلی، انڈیا، 2011ء، ص147۔

20۔ مجید امجد، غزل، انتخابِ مجید امجد، مرتبہ سعد اللہ شاہ،، الحمد پبلی کیشنز، پرانی انار کلی لیک روڈ، لاہور 1993ء، ص64۔